خیابان خزاں ۲۰۲۳ء

بیسویں صدی کا ایک منفرد جرمن ناول نگار گنتر گراس اور اس کا ناول "داِٹن ڈرم"

ڈاکٹر نبیل احمد نبیل (ایسوسی ایٹ پروفیسر)، ڈویژن آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ،
یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور
ڈاکٹر شیر علی (صدر شعبۂ اُردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان)

ABSTRACT:

Gunter Grass,[1927-2015] recipient of the 1999 Nobel Prize in Literature was poet, artist, sculptor, left - wing political activist, carries within him different and myriad layers of talent. Born in Den zing, now under Polish control, Grass was torn between his German origin and his fascination with Poland given that he was also half - Polish (his mother was Polish Slav). This binary informs his seminal work, Tin Drum where the protagonist Oscar is torn between his possible German or Polish ancestry. Apart from this biographical note, Tin Drum is a mirror in which post war Germans and indeed Europeans could look back at the dark days of life under Nazi Germany. Grass was famous as serving as a sort of conscience of Germany. This work of his brings into sharp relief different dimensions of German dilemma about life under Nazi control and responsibility of ordinary Germans for what happened in Germany and what Germans did to others.

Keywords: Resistance and Literature; German Picaresque Novel, Ferocious Satire, Nazis and Literature

گنتر وِلہیلم گراس (Gunter Wilhelm Grass) بیسویں صدی کا وہ عظیم جرمن ناول نگار ہے جو سنگین حکایتوں کو شوخ وشنگ انداز میں کمال تخلیقی قرینے اور کئی ایک زاویوں سے اپنے ناول میں پورٹرے کرنے کا ہنر رکھتا ہے۔ اُسے جب ۱۹۹۹ء میں ادب کا نوبل انعام دیا گیا تو اس کے کمالِ فن کا اعتراف بھی کیا گیا، جس کی شوخیوں بھری سنگین حکایتں تاریخ کے فراموش شدہ چہروں کی پیکر تراشی کرتی ہیں۔ گنتر گراس کا سالِ پیدایش ۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۷ء اور سالِ وفات ۱۳/ اپریل ۲۰۱۵ء ہے۔ گنتر گراس کے ناول "داِٹن ڈرم" کا اُردو ترجمہ ممتاز مترجم باقر نقوی نے کیا، جسے کراچی کے پبلشنگ ادارہ اکادمی بازیافت نے ۲۰۱۲ء میں شایع کیا۔(۱) گنتر گراس ۱۶/ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو فری سٹی آف ڈینزنگ (Danzig–Langfuhr) میں پیدا ہونے والا جرمن ناول نگار بیک وقت ایک شاعر، ڈراما نگار، گرافک آرٹسٹ اور مجسمہ

ساز تھا، لیکن جس فنی ہنر مندی نے اسے نوبل انعام یافتہ تخلیق کاروں کی صف میں شامل کر کے شہرت کی بلندیوں تک پہنچایا، وہ ناول نگاری کی مغربی صنفِ سخن ہے۔ گنتر گراس کی مادری زبان جرمن تھی، اُس نے ۸۷ برس عمر پائی۔ اُس کے نمایاں فکشن میں ''داٹن ڈرم، کیٹ اینڈ ماؤس، ڈوگ ییئرز اور کریب واک شامل ہیں۔ گنتر گراس جس علاقے میں پیدا ہوا تھا، اب وہ علاقہ پولینڈ کا حصہ ہے۔ اُس نے ۱۹۴۴ء تک جرمن فوج میں ملازمت کی اور پھر دوسری عالمی جنگ کے دوران میں امریکہ کی قید میں بھی رہا۔ اس کی رہائی اپریل ۱۹۴۶ء میں ہوئی۔ اُس نے اپنے بچپن کے دور کو کثرت کے ساتھ اپنے فکشن میں پورٹرے کیا ہے۔ اُس کی وجہِ شہرت اُس کے پہلے ناول "The Tin Drum" کو قرار دیا جاتا ہے۔ اُس کے پہلے ناول ہی کی توسیع کے طور پر اُس کے مزید دو ناولوں کو قرار دینا غلط نہیں ہو گا۔ اُس کے اگلے دو ناولوں میں "Cat and Mouse" اور "Dog Years" بھی اپنی جگہ کم اہم نہیں ہیں، جنھیں Danzig Trilogy کہا جاتا ہے۔ وہ ڈین زِگ کی جانب بار بار مراجعت کرتا ہے۔ اُس کے ناولوں میں سیاسی شعور بھی ملتا ہے اور بائیں بازو کی سیاست کے متعدد پہلو اور ترقی پسندانہ فکر کی بھی کئی ایک جہتوں کا بہت شدّت کے ساتھ احساس ہوتا ہے۔ گنتر گراس جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا بھی سرگرم رُکن اور معاون رہا۔ گنتر گراس نازیوں کے علاقے میں پلا بڑھا، نوجوانی میں جنگ میں بطور 'ٹینک گنر' خدمات انجام دیں، امریکیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور قید بھی کاٹی اور پھر دوسری عالم گیر جنگ کے اختتام پر رِہا بھی ہوا، لیکن گنتر گراس نے یہ حقائق اور اس جیسے کئی حیران کن انکشافات ۲۰۰۶ میں کیے، جس کے باعث ادبی اور سماجی حلقوں میں اس کی شخصیت اور نظریات کے ساتھ ساتھ اس کے ناول کو بھی متنازع قرار دیا جانے لگا، دوسری جانب ناول پر بنائی جانے والی فلم اور اس کے مرکزی کردار 'آسکر' کے شہوانی اور جنسی جذبات کی عکس بندی بھی کچھ اس انداز سے کی گئی کہ اسے کئی ریاستوں میں ممنوع قرار دے دیا گیا، لہٰذا ادبی اور سیاسی حلقوں میں اس سے نوبل انعام کی واپسی کا تقاضا بھی کیا گیا۔ بہر حال ناقدینِ فن نے گنتر گراس کے کام کی خوب صورتی میں مخفی اس کی ذہانت سے اس کی غلطی کی تلافی کا اندازہ لگا لیا، انھوں نے گراس اور اس کے فن پارے میں پائی جانے والی اخلاقی کشمکش کو ہی اس کے فن کی قابلِ قدر خوبی قرار دیا۔ اگر وہ اس ناول میں نازی دور کی اُلجھنوں اور کشمکش سے تحریک نہ لیتا تو ایسا شان دار ناول تخلیق نہ کر پاتا۔ دوسری جانب اس کا ہیرو آسکر ماتسیرات انسانی سطح پر اپنی نفسیات، سماجیات اور عصری صورتِ حال کے عین مطابق تصویر کے متعدد رُخ سامنے لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مثبت نقطۂ نظر کے حامل ناقدین اور گنتر گراس کے مزاج اور اس کے فن کو سمجھنے والوں

نے واضح کر دیا کے کہ اُس نے اپنی غلطی کی تلافی اپنے فن اور ذہانت سے ناول میں ہی کر دی تھی۔ ''اِٹس ابوٹ جرمن گلٹِ'' کے عنوان سے لکھے گئے ایک آرٹیکل کے مطابق:

> " When Grass revealed in 2006 that at 17 he had been drafted into the Waffen-SS before the end of the war, it complicated his legacy, leading some to criticize his status as a conscience of the German nation and call on him to hand back the Nobel prize he was awarded in 1999. Yet in Reese's view, the moral conflict Grass and his creation carry inside them is precisely what makes his work endure. "Grass worked his own enmeshment with the Nazi regime, which he only started talking about much later, into the fabric of this work. That's why this novel is such a work of genius-he answers with a work of art". (1)

یہ بات صد فی صد درست ہے کہ گنتر گراس کا آسکر ماتیسرات صرف نظام کو سبوتاژ ہی نہیں کرتا بلکہ وہ اشتراکی بن کر بھی سامنے آتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پیرس میں نازی فوجی دستوں کے لیے اپنی موسیقی کے فن کا مظاہرہ کرنے پر بھی آخرِ کار رضامند ہو جاتا ہے، لیکن اس سب کے باوجود متنازع کا لفظ اس کے مذکورہ ناول کے ماتھے کا جھومر بنا رہا ہے۔ گنتر گراس کے ناول پر ۱۹۷۹ء میں پہلی دفعہ ''داِٹن ڈرم'' کے حقیقی نام کے ساتھ ہی فلم بنائی گئی تھی، جس کے ڈائریکٹر Volker Schlondorff تھے اور اس کے اسکرین پلے رائٹرز دو تھے، جنھوں بہ حیثیت شریک مصنفین کے طور پر کام کیا تھا، جن کے نام بالترتیب Jean-Claude Carriere اور Franz Seitz تھے، اور پھر بعد میں ایک دفعہ پھر ۲۰۲۰ء میں لندن میں اس ناول پر فلم بنانے کی تیاری کی گئی تو فلپ آلٹرمان نے اپنے کالم میں لکھا:

> "The stage version of Gunter Grass's 1959 novel is set to open in London-with its unbearable protagonist and tales of Nazi collaboration, it's as controversial as ever. Every

> audience loves a hero but Oskar Matzerath, one of the most unsettling literary characters of the 20th century, doesn't make it easy for the spectator. (2)

پولینڈ اور جرمنی کی ڈین زِگ میں ہونے والی جنگ میں متوسط طبقے کا رجحان نازیوں کی طرف تھا۔ جنگ کے وحشت ناک دور میں، روسیوں کی آمد اور مغربی جرمنی میں معاشی معجزے کے لیے پوسٹ وار یعنی دوسری عالمی جنگ کے بعد جو فضا قائم کی گئی تھی۔ اس سب نے گنتر گراس کے حساس اور تخلیقی ذہن سے یکے بعد دیگرے تین ناولوں کی ایک شان دار سیریز تخلیق کرائی۔ جسے ڈین زِگ ٹرائی لوجی کے نام سے شہرت ملی۔ ۱۹۵۹ء میں گنتر گراس کے لیے وجہ شہرت بننے والا ناول ''دا ٹن ڈرم'' منظر عام پر آیا اور یہی ناول ۱۹۹۹ء میں اس کے لیے ادب کا نوبل انعام حاصل کرنے کا سبب بنا۔ ۱۹۷۹ء میں اس ناول پر فلم بھی بنائی گئی تھی، جسے غیر ملکی زبانوں میں بنائی جانے والی فلموں کا اکادمی ایوارڈ دیا گیا تھا۔ دی ٹن ڈرم بہت مختلف انداز کا حامل ناول ہے جو ابتدا میں قدرے بے رس اور بے لطف سا محسوس ہوتا ہے مگر جیسے جیسے قاری مصنف کے اسلوب سے واقف ہوتا چلا جاتا ہے۔ گنتر گراس کی ہنر مندی اور اُس کے آرٹ کے جوہر اس کے قاری پر کُھلتے چلے جاتے ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں گنتر گراس کے مذکورہ ضخیم ناول کا ترجمہ باقر نقوی نے ''نقارہ'' کے نام سے کیا اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک عمدہ ترجمہ ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے ناول کے مکمل متن کا ترجمہ کیا ہے اور ضخامت، طوالت یا پبلشرز کے دباؤ کے خوف سے آزاد ہو کر گنتر گراس کی منشا سے انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ ناول کا دیباچہ بھی انھوں نے ''مشک آنست'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے جو بہ ذاتِ خود ایک خاصے کی چیز ہے، جسے لائقِ تحسین مقدمہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ باقر نقوی کی نوبل انعام یافتہ تخلیق کاروں پر بھی گہری نظر ہے اور وہ الفریڈ نوبل پر کتاب لکھنے کے علاوہ 'نوبل ادبیات'، 'نوبل حیاتیات' اور نوبل امن کے سو برس جیسی اہم کتابیں حوالۂ قلم کر چکے ہیں۔ عطاالحق قاسمی نے باقر نقوی کے مترجمہ اور تصنیفی کارناموں کی تحسین کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''سچ پوچھیے تو ترجمے کا یہ کام مجھے تو بہت سوں کے طبع زاد کام سے بہت زیادہ قدر و قیمت کا حامل نظر آتا ہے۔ یہ کام ادارے کرتے تو بھی مبارک باد کے مستحق ہوتے، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ باقر نقوی کے انفرادی کارناموں کی بڑھ چڑھ کر پذیرائی ہونی چاہیے۔

جرمن ادب بھی جرمن قوم کی طرح اپنی ایک الگ پہچان اور انفرادیات رکھتا ہے اور ہر دور میں وہاں کی ادبی راویت میں نئے اضافے ہوتے رہے ہیں۔ بیسویں صدی میں ٹومس مان اور ہرمن ہسیے جیسے ناول نگاروں کے بعد اہم نام گنتر گراس کا ہے، جس نے سماجی حقیقت نگاری، انسانی نفسیات اور مزاحمتی ادب کا ایک نیا زاویہ پیش کیا"۔(۴)

گنتر گراس کی ناول نگاری پر ٹومس مان، گوئٹے، فرانز کافکا، ولادی میر نوبوکوف، البر کامیو، ور جان ارونگ کے ملے جلے اثرات ملتے ہیں۔ بالخصوص پوسٹ وار (دوسری عالمی جنگ کے بعد)، کے ادیبوں میں گنتر گراس کی تخلیقات کا انداز منفرد ہے۔ "داٹن ڈرم" کے علاوہ اُن کی تخلیقات میں "کیٹ اینڈ دی ماؤس ۱۹۶۱، ڈوگ ییئرز ۱۹۶۳، فلاؤنڈر ۱۹۷۷، دی ریٹ ۱۹۸۶، مائی سینچری ۱۹۹۹، کریب واک ۲۰۰۲ اور یادداستوں پر مشتمل کتاب "پیلنگ دی اونیان" ۲۰۰۲ء شامل ہے جو ۲۰۰۶ء میں منظر عام پر آئی تھی مگر جو شہرت "داٹن ڈرم" کو ملی، وہ کسی اور تخلیق کو کم ہی نصیب ہوئی۔ سات سو اٹھہتر صفحات اور ۱۴۴۔ ابواب پر مشتمل اس ضخیم ناول میں کرداروں کی طومار اور واقعات کا تسلسل پہلے پہل تو قاری کا الجھا کر رکھ دیتا ہے مگر جیسے جیسے کہانی آگے بڑھتی ہے۔ قاری، گنتر گراس کے اسلوب بیان کا شناسا ہوتا جاتا ہے۔ کہانی کا راوی آسکر ماتسیرات ہے جو پہلے خود کو آسکر برالسکی مانتا تھا، لیکن اب وہ ذہنی مریضوں کے ہسپتال میں بستر پر پڑا ایک لاچار شخص ہے اور وہ اپنی کہانی لکھتے ہوے بیک وقت خود کو دو مختلف لوگوں کی مانند گردانتا ہے، وہ آسکر کو مخاطب بھی کرتا ہے اور اس کی سوچوں کا ترجمان بھی بنتا ہے۔ آسکر اور اس کے نقارے کے معجزات بھی دکھاتا ہے اور اس کی بدقسمتی بھی، اس طرح قاری، گنتر گراس کی طلسماتی حقیقت نگاری سے مسحور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ۵۰۰ صفحات کے بعد کہانی کا کچھ حصہ "برونو" بیان کرتا ہے جو آسکر کا میل نرس اور نگہبان ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ "نقارہ" ایک نوجوان کا 'پری وار' اور 'پوسٹ وار' یعنی جنگ سے پہلے اور دوسری عالم گیر جنگ کے بعد پولینڈ اور جرمنی کے ماحول میں اصل حالات وواقعات، جگہوں اور لوگوں کو ناول کی کہانی میں پیش کرنے کا انوکھا انداز ہے، جسے بیسویں صدی کا ایک کئی ایک حوالوں سماجی پس منظر و پیش منظر کہا جاسکتا ہے۔ اس صدی کی شان موڑز، فضا، تاریخ اور ترقی کی رفتار اس ناول میں یوں سماگئی ہے کہ ناول کو بیسویں

صدی کا نہیں بلکہ بذاتِ خود مغرب کی سماجی زندگی کی بیسویں صدی کہنا زیادہ مناسب ہو سکتا ہے۔ اِس ضمن میں ایک مثال ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

''صدیاں شروع ہوتی ہیں، ختم ہوتی ہیں، ایک کے بعد دوسری، جیسے وہ کبھی تھیں ہی نہیں، مگر پل باکس تو باقی رہنے کے لیے اہرامِ مصر کی طرح رہنے والے ہیں۔۔۔۔ اس کام میں کوئی نہایت ذہین، شاید بیسویں صدی کے گویا گنتر گرِدس نے آسکر کی زبانی بیسویں صدی کا تاریخی، ثقافتی، ادبی، سماجی تعارف بھی کروایا ہے اور اس کے ہاتھ میں تھمائے مو قلم (پینٹ برش) سے وہ تمام شیڈز بھی گہرے کر دیے ہیں، جن سے اس صدی کے خدوخال ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ آسکر کے تینوں عنوان 'ظالمانہ'، 'عارفانہ' اور 'بیزار' گویا ہمارے صد سالہ عہد کے دریا کو کوزے میں بند کر دیتے ہیں اور ماسٹر ببرا کے منہ سے یہ الفاظ کہلوا کر گنتر گراس مہرِ تصدیق ثبت کر دیتا ہے کہ تم نے ہماری صدی کو اس کا نام دے دیا۔''(۵)

ان تین ناموں میں سو سالہ واقعات کی تاریخ اور روح سمائی ہوئی ہے، جس کے اثرات بیان کرنے کے لیے تین ہزار سال بھی کم ہوتے ہیں۔

وباؤں، جنگوں، سیاسی اور معاشی اتھل پتھل کے واقعات اور سانحات سے بھرپور یہ صدی ''نقارہ'' جیسے ادب پاروں کی وجہ سے لازوال تاریخ بن کر محفوظ ہو گئی ہے، جس دور کا قاری اسے پڑھے گا اور سمجھے گا، وہ نہ صرف بیسویں صدی کا منظر نامہ اپنی آنکھوں کے سامنے پائے گا بلکہ اس کے پس منظر و پیش منظر سے بھی آگاہ اور واقف ہو جائے گا ۔ناقدینِ فن اور قارئین کا ردِ عمل اپنی جگہ مگر گنتر گراس کے تخلیقی ہنر اور ادبی مذاق اور مزاج نے 'نقارہ' جیسے کثیر الجہتی موضوع کے حامل ناول کو اپنے شعور و ادراک کی کٹھالی میں پگھلا کر کندن کر دیا ہے۔ اس کندن کی آب و تاب میں ایک خاص دور کی تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی چمک بھی شامل ہے اور ہر دور کے سماج کے افراد کی متنوع نفسیات کی آفاقی جھلک بھی اس ناول میں دیکھنے کو ملتی ہے اور سرخ اور سفید رنگ کے حامل متنوع کردار مذکورہ ناول 'دا ٹن ڈرم' یعنی (نقارہ) میں

اپنے عصری ماحول کے ہر رنگ اور ہر آواز کی عکس گری کرتے ہوئے اپنے تمام تر تحرک کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ وہ بیک وقت جبر، جنگ، قہر اور ظلم کے خلاف اعلان جنگ بھی ہے اور مظلوم و مجبور کی صدائے احتجاج بھی ہے۔

”واحد ذہنِ انسان نے اپنا واضح، محکم انداز میں، اور ہمیشہ رہنے والا اظہار کیا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں، ہمارا ماہرِ آثاریات کہے گا، میں سوچ رہا ہوں اس کا نام بھی ہے کہ نہیں ؟ کوئی دستخط یہ بتانے کے لیے کہ ماسٹر کون تھا؟۔۔۔

بہت اچھا جناب، یہاں لکھا ہوا ہے:

ہربرٹ لانکیز، سن انیس سو چوالیس اور عنوان ہے: ظالمانہ، عارفانہ، بیزار۔

ببرا: تم نے ہماری صدی کو اس کا نام دے دیا ہے۔“(۲)

” نقارہ“ دراصل آسکر نامی بچے کا کھلونا ہے جو اس کی تیسری سالگرہ پر ملتا ہے اور تین سال کی عمر میں وہ اپنی ایک خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ میں ہمیشہ بچہ ہی رہوں اور اپنا نقارہ بجاتا رہوں۔ وہ کبھی اپنے نقارے کو خود سے الگ نہیں کرتا اور بالغ ہونے کے باجود بچہ ہی بنا رہتا ہے۔ اگر کوئی اس کا نقارہ چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ تو آسکر ایسی زور دار چیخ مارتا ہے جو اس کی اسکول ٹیچر کی عینک سے لے کر بڑے بڑے شاپنگ مال کی کھڑکیوں تک ہر شیشے کو چکنا چور کر دیتی ہے۔ وہ اکثر اپنا نقارہ بجا بجا کر توڑ ڈالتا ہے اور پھر بالکل ویسا ہی سرخ اور سفید رنگ کا گلے میں لٹکانے والا نقارہ مانگتا ہے۔ پہلا نقارہ ٹوٹنے پر جب اسے نیا نقارہ ملتا ہے، تو وہ خود سے سوال کرتا ہے کہ کیا لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ میں راویت سے اس لیے چمٹا ہوا ہوں کہ مجھ پر اُصولوں کا بار یا بوجھ ہے ؟ یہ بات نقّارے کی علامتی اہمیت اور حیثیت کو واضح کرتی ہے۔ نقارہ نوازی ضروری ہے، خواہ نقارہ ہر بار نیا ہی کیوں نہ لینا پڑے! یعنی روایت اگر جدّت کی متقاضی ہو تو اصولوں سے انحراف کیا جا سکتا ہے۔

برائی کو ایک شخصِ واحد یا واحد قوم کا وصف نہیں کہا جا سکتا، عوام یا معمولی لوگ بھی خاص لمحے پر اچھائی یا برائی ظاہر کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس مرکزی خیال کو گنتر گراس نے 'اینیلیجی' کے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کے خیال میں ایک نقارہ کیا کیا کر سکتا ہے، اس کی ایک خوب صورت مثال ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

"آج آسکر سادہ لفظوں میں بس اتنا کہنا چاہ رہا ہے کہ وہ پتنگا بھی ایک اعلان کر رہا تھا۔ میں نے خرگوش، لومڑیوں اور چوہوں کو بھی اعلان کرتے سنا ہے۔ مینڈک اپنی مسلسل اور قایم مزاج کوششوں سے نقارے کے ذریعے کسی طوفان کو بیدار کر سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہدہد کیڑوں کو اپنی پناہ گاہوں سے نقارے کے ذریعے ہی باہر نکال سکتے ہیں۔ آدمی ٹین کے تسلوں، پیتل سے بنے برتنوں، کیتلیوں کو نقارے کی طرح بجا سکتے ہیں۔ حملے کے لیے آگے بڑھتی ہوئی فوجیں نقاروں کے ذریعے توپوں کی گولہ باری کا اعلان کرتی ہیں۔ ہم نقارے کے ذریعے نئے کام کا اعلان کرتے ہیں، لوگوں کیڑوں، مکوڑوں اور جانوروں کو باہر نکالتے ہیں، مسلسل نقارے بجا بجا کر کچھ یاد دلاتے ہیں۔ نقارے بجانے والوں میں سپاہی بھی ہوتے ہیں اور افسر بھی۔ موسیقار بھی ہوتے ہیں جو ساز کے تاروں اور مضراب کے لیے ساز ینے ترتیب دیتے ہیں۔ میں نقارے پر خود آسکر کی کوششوں کو بیان کر سکتا ہوں۔" (۷)

'ٹن ڈرمنگ' ایک محاورہ بھی ہے جو توجہ کے حصول کے لیے پریشانی پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آسکر اور اس کے خاندان کے مابین ذہنی تفاوت، اس دور کے مڈل کلاس لوگوں کی ذہنیت اور سماج کے مجموعی طرزِ فکر کی علامت کے طور پر سامنے آنے والا نقارہ دراصل گنتر گراس کے دل کی آواز ہے۔ تاہم اسے محض من کی آواز سمجھ لینا ہی کافی نہیں ہے۔ نقارہ اپنے عصری مسائل سے لے کر دورِ حاضر کے مسائل تک کا راگ الاپتا ہے۔ یہاں تک کہ آسکر کی نقارہ نوازی اسے ناقابل برداشت فرد بنا دیتی ہے۔ وہ اپنی نقارہ نوازی سے نیشنل سوشلٹوں کا نظم و نسق اور جنگی حکمتِ عملی برباد کو کرتا ہوا نظر آتا ہے، یہاں تک کہ ایک بار نازیوں کی ریلی کے مارچ کو اپنے نقارے کی تال پر ہونے والے رقص میں بدل دیتا ہے۔ اگر اس نے ذاتی تجربات کو مبالغے کی حد تک تصور کر کے پیش کیا ہے، جس سے ایک طرف میجک رئلزم یعنی طلسماتی حقیقت نگاری کی رومانوی فضا جنم لیتی ہے تو دوسری طرف سفاک سماجی حقیقت نگاری عصری ماحول کی نقاب کشائی

کرتی ہے۔ اس عصری ماحول میں جو اخلاقی زوال اور انسانیت کی تباہی کا دور تھا، آسکر کی نقارہ نوازی گویا رُسوائیوں، فحاشیوں اور اخلاقی برائیوں کی آواز کو اپنے شور میں گم کر لینے والی آواز ہے۔ گنتر گراس کے مطابق:

> ”میز کے نیچے آسکر اپنے تباہ شدہ نقارے کے ساتھ بیٹھا ہوا موسیقی کے آخری قطرے نچوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری کم زور مگر باقاعدہ تھاپ وجد میں کھوئے افراد کی پسند رہی ہو گی، جو کمرے میں بیٹھے یا لیٹے ہوئے تھے۔ اس لیے کہ میری نقارہ نوازی، چومنے اور چوسنے کی مسلسل آوازوں پر وارنش کی طرح چھائی ہوئی تھی۔“(۸)

آسکر کا تعارف اور کردار کی مزید وضاحت کچھ اس انداز سے کی جا سکتی ہے:

ننھے کوب زدہ آسکر کے علاوہ گنتر گراس نے اس ناول میں بے شمار کردار تخلیق کیے ہیں جو آسکر کی پیدائش سے پہلے اس کہانی کی شروعات کرتے ہیں اور پھر کہانی کے ہر مختلف موڑ پر باری باری سامنے آتے رہتے ہیں۔ نسوانی کرداروں میں آسکر کی نانی (اپنے چار لہنگوں کے ہمراہ)، اس کی ماں، ''ایگنس''، 'اس کی استانی''، ''مس اسپولین''، ''ماریا''، ''لینا گریف''، ''روزودا''، اور سسٹر ڈوروتھا کے علاوہ بھی کئی کردار پیش منظر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں، جب کہ مرد کرداروں میں آسکر کے دونوں باپ (اصلی اور قیاسی ”جان برانسکی“ اور ''ماتسیرات'' کے علاوہ مسٹر برونو، کلیپ، 'ڈاکٹر ہولایز،، 'اسٹیفن'، ،' ماسٹر ببرا، گریگر کوواچی، 'فلپ'، ، 'وٹلر' اور ونسٹنٹ برانسکی وغیرہ جیسے کئی اور کرداروں کی بھی طومار ہے۔ تاہم ایک بڑے کینوس پر پھیلے اس ناول کے ہر موڑ اور واقعات کی بنت میں کوئی کردار بھی غیر ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ گنتر گراس کے قلم نے ان کرداروں کے خوب صورت پیکر تراش کر گویا ناول میں جا بجا نگینے جڑ دیے ہیں اور ایک اچھے ناول کی ایک پہچان یہ بھی قرار دی جا سکتی ہے کہ اس کے کردار ایک دوسرے میں پیوست اور آپس میں مضبوط انسلاک کے حامل ہوں۔ ”نقارہ“ کے کردار ہمیں جرمنی کی سر زمین اور وہاں کی ثقافت، تہذیب و تمدن، تاریخ، جغرافیہ، جنگ، امن، سیاست، مذہب، صنعت، سماجی زندگی اور فنون لطیفہ کی صورت میں عصری اور آفاقی رنگ دکھاتے چلے جاتے ہیں۔ قاری آسکر کی معیت میں اور اس کے خیالات کے ذریعے تہ خانوں اور کمروں کی تزئین سے لے کر آرٹ گیلریوں تک اور پہاڑی علاقوں سے لے کر سمندری ساحلوں تک سفر کرتا چلا جاتا

ہے۔ گنتر گراس کا کمال یہ ہے کہ وہ تاریخ کا چہرہ اس طرح دکھاتا ہے کہ مذہب، جغرافیہ اور تہذیب و تمدن خود بخود واضح ہوتے چلے جاتے ہیں اور انداز بھی واضح اور سادہ رہتا ہے پوسٹ وار یعنی دوسری عالمی جنگ کے بعد کے حالات و واقعات کو کچھ اس انداز سے ناول کا سرنامہ بنایا گیا ہے:

> ''جنگ ختم ہو چکی تھی۔ ایسے امن کے معاہدے جو مزید جنگ کا باعث ہو سکتے تھے، دوبارہ لکھے جا رہے تھے۔ وستولا دریا کے دہانے کے اطراف کے علاقے کی ایک خط کے ذریعے نئے سرے سے حد بندی کی جا رہی تھی۔ یہ خط -ووگل سانگ- سے ہوتا ہوا ٹیرنگ، نوگاٹ سے ٹیپکل اور وستولا سے -تسایکاو- اور وہاں سے زاویہ قائمہ کی صورت -شون فلیس- تک جاتا تھا۔ وہاں سے -ساسکو شین- کے جنگل، اونومین اور ییسٹرن، رامکاو اور میری نانی کے گاو ں بساو کو ایک طرف چھوڑتا ہوا بحر بالٹک کے علاقے کلائن کائیز جاتا تھا جس لیگ آف نیشنز کی زیر نگرانی آزاد ریاست بنا دیا گیا تھا۔ پولینڈ کو بھی -ویسٹر پلائے- نام کی ایک آزاد بندرگاہ دے دی گئی تھی جس میں گولہ بارود رکھنے کے گودام تھے اور ریلوے کی ایک انتظامیہ تھی اور ہو یلیس پلائز پر اسکا اپنا ایک ڈاک خانہ بھی تھا۔''(۹)

اس سب کے ساتھ ساتھ گنتر گراس نے '' نقارہ '' میں انسانی جذبات اور نفسیات کے آفاقی رنگ بھی دِکھائے ہیں۔ مرکزی کردار اور مرکزی قصے سے منسلک ذیلی کہانیاں ہمیں ایک مخصوص یورپی سماج اور انسانی زندگی کے ہر پہلو کی نقاب کشائی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ایک کوہانی کمر والا تین فٹ قد کا بچہ اپنے ذہنی سفر اور ذہنی عمر کے اعتبار سے ہر کردار پر بھاری پڑتا دِکھائی دیتا ہے، لیکن اس کی ابنارملٹی یا اس کا بگڑا ہوا ذہنی توازن اس کے ذہنی اور جنسی رویوں پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ وہ بچپن ہی سے اپنی ماں کو دو مردوں میں سینڈوچ ہوتے دیکھتا رہا تھا اور اپنے باپ کے متعلق بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ جان برانسکی اس کا اصل باپ تھا یا قیاسی ایسے گھریلو ماحول میں 'آسکر' کی شخصیت تضادات اور تناقضات کا ملغوبہ بن کر سامنے آتی ہے، وہ اپنی ذہنی اور جنسی ضروریات کا بندوبست اپنے انداز میں کرتا ہے اور ماریا سے جسمانی

تعلقات قائم کر کے اپنے ہی جیسے ایک اکھڑ مزاج لڑکے (کُرٹ) کا باپ بن جاتا ہے، جس کا قیاسی باپ بھی 'ماتسیرات' ہی ہوتا ہے۔ جرمن سماج کے یہ جنسی گورکھ دھندے 'آسکر'، 'ماریا'، 'ماتسیرات'، 'جان' اور 'ایگنس' کے معاشقے، 'آسکر' کے جنسی اور ذہنی بلوغت کے بیانیے اور اس دور کے مرد وزن کے شہوانی اور جنسی معاملات اور تعلقات اور رجحانات کے کُھلے ڈُلے اظہار نے اس تخلیق کو متنازع اور فحش بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے ماضی کے متعلق راز، دیر سے ظاہر کرنے اور جنگ اور مذہب سے متعلق دوغلا رویہ اپنانے کے الزامات لگا کر اس کو 'نوبل انعام' کا حق دار نہ ہونے کا اِس ناول کو طعنا بھی دیا گیا۔ باقر نقوی ناول کے ''دیباچے'' میں اس امر پر یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''کسی حد تک متنازع ہونے کے باوجود اگر اس کے اس ناول کو بیسویں صدی کے جرمن زبان کے دس بہترین ناولوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس ایک بات سے بھی اس ناول کی ادبی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے میرے خیال میں کسی کتاب کا متنازع ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ لکھنے والے نے اپنے موضوع کو نئے انداز میں دیکھنے اور نئے طور سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ یقینی طور پر اپنے موضوع کے کچھ ایسے پہلو نمایاں کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ جو عمومی مزاج کے خلاف ہیں اور اسے بدلنے کی قوت رکھتے ہیں۔''(۱۰)

در حقیقت گنتر گراس ایک بالکل انوکھے کردار کے ذریعے یہ سوال قائم کرتا ہے کہ کیا اب جرمن قوم کو بالغ ہو جانا چاہیے؟ یا آسکر جیسے بونے کی طرح بھیانک نقارہ نوازی جاری رکھنی چاہیے؟ آسکر اس ناول میں پولش قوم کا استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔ اس کے مسلسل احتجاج، انتشار اور انارکی سے بھرپور آواز نے پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا وہ بورژوا کلاس اور نازیوں کی بربریت کی بیک وقت مذمت کرتا نظر آتا ہے۔ ساپے قبرستان، پولش ڈاک خانہ اور اس کا ہسپتال ایسے دل خراش مناظر سامنے لاتے ہیں کہ اپنی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود آسکر سے ہمدردی ہونے لگتی ہے اور جنگ کی ہولناکیوں پر دل کڑھنے لگتا ہے۔ انسان کے جنگی جنون، مادی وسائل پر قبضے کے حصول، اقدار اور طاقت کی ہوس کی اس سے زیادہ کھلی اور واضح مثالیں اتنی بڑی تعداد میں کسی اور ناول میں کم ہی دستیاب ہوں گی اور اس پر گنتر

گر اس کا لگایا گیا فلسفے اور جذبات کا تڑکہ انسانی نفسیات کے کئی ایک مخفی پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نقارہ ایک جھنجھوڑ دینے والا اور دل دہلا دینے والا ناول ہے، جس کا کینوس بیک وقت سماجی حقیقت نگاری اور طلسماتی حقیقت نگاری کے رنگوں سے سجا ہوا ہے اور گنتر گراس کے اس ناول کا تنقیدی جائزہ لینا دریا کو کوزے میں بند کرنے جیسا مشکل کام ہے۔ اس کے ہر ہر باب سے ایک منفرد مہک اور ہر ہر کردار کے مطالعہ سے ایک مختلف رنگ خود بہ خود مترشح ہوتا چلا جاتا ہے۔ جسے چند صفحات میں سمیٹنا ممکن نہیں باقر نقوی کا کہنا بڑی حد تک درست ہے:

"مشک آنست کہ خود بگوید، نہ کہ عطار بگوید(11)

گنتر گراس کے مذکورہ ناول کے عمیق مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایک سنگین بُرائی کو کسی ایک شخص یا فردِ واحد کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا اور عمومی صلاحیتوں اور کردار کے حامل افراد کسی مخصوص اچھائی یا بُرائی کے بھی حامل ہو سکتے ہیں۔ اس مرکزی تصور کو تھیمیٹیکلی کئی ایک طریقوں سے ناول کا موضوع بنایا جا سکتا ہے، جیسا کہ گنتر گراس نے بھی اپنی 'ٹرائی لوجی" میں اس موضوع کو کئی ایک پہلوؤں کی تہ داری کے سیاق میں پیش کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ گنتر گراس نے اپنے اس ناول "داٹِن ڈرم" میں بھی اسی تصور کو کئی ایک زاویوں سے پیش کرنے کی کام یاب اور بھرپور سعی کی ہے۔ گنتر گراس کا یہ ناول اپنی علامات کی تہ داری کی وجہ سے بھی انفرادیت کا آئینہ دار و غمّاز ہے اور پھر ان علامات کی ترتیب و تنظیم بہت زیادہ اہمیت کی حامل کہی جا سکتی ہے اور جس طریقے سے انسانی تاریخ تغیرات سے دوچار ہوتی رہتی ہے، اس ناول کا یہ حوالہ بھی اہمیت سے خالی نہیں ہے۔ ایک جوان جو "داٹِن ڈرم" کا پروٹیگنسٹ قرار دیا جا سکتا ہے، جس کی افزایش کا عمل تین سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد رُک جاتا ہے اور وہ جنسی اور جذباتی حوالے سے پوری طرح شعور کی حدوں کو چُھو چکا ہے۔ کئی ایک زاویوں سے ڈرم کو ایک نہایت اہم آلۂ موسیقی قرار دیا جا سکتا ہے جو کثیر الجہتی علامات کا علم بردار ہے اور جس کی متعدد تعبیرات و تصریحات کی جا سکتی ہیں۔ یہ فقط اُمّید و بیم کے حامل درخشاں مستقبل اور جیتی جاگتی زندگی ہی کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ ایک واحد اور موئثر طریقہ ہے، جس کے وسیلے سے آسکر پوری دُنیا کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کا کُھل کر اظہار و ابلاغ کر سکتا ہے۔ گنتر گراس کے ناول "داٹِن ڈرم" کو کئی ایک حوالوں سے بیسویں صدی کا ایک بڑا جرمن ناول قرار دیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ گنتر گراس، نقّارہ مترجم باقر نقوی (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)، ص ۴۔

2- "It's about German guilt: why the tin drum is still ......at the cornet, London ,24- 29 February.

3-Philp Oltermann in Berlin, Tuesday 20 February, 2020 GMT (tweet@philpoltermann)

۴۔ گنتر گراس، نقّارہ مترجم باقر نقوی، تقدیم عطاء الحق قاسمی مشمولہ 'نقارہ' (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)، ص ۷۷۹۔

۵۔ گنتر گراس، نقّارہ مترجم باقر نقوی (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)، ص ۴۴۸۔

۶۔ گنتر گراس، نقّارہ مترجم باقر نقوی (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)، ص ۶۰۔

۷۔ ایضاً، ص ۲۹۶۔

۸۔ ایضاً، ص ۸۷۔

۹۔ ایضاً، ص ص ۳۵۰۔۳۵۱۔

۱۰۔ گنتر گراس، نقّارہ مترجم باقر نقوی (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۲۔

۱۱۔ گنتر گراس، نقّارہ مترجم باقر نقوی، دیباچہ، مشت آنست (کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۲۔

نوٹ:

اگر۔ڈاڈاازم اور 'نازی ازم' کی مزید تصریح و تشریح کرنا مقصود ہو تو ڈاکٹر سہیل احمد خان کے تنقیدی مقالات کا مجموعہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

''گنتر گراس کے ناول ''نقارہ'' میں جس قدر نازی ازم کے اثرات ہیں اسے 'ڈاڈاازم' کی تحریک کے رجحان کا خصوصی ناول قرار دیا جا سکتا ہے لفظ 'ڈاڈا' جرمن زبان سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی جرمن لفظ سے تحریک پکڑنا ہے، یہ دراصل ایک خاص ذہنی کیفیت ہے جو جنگوں کے بعد والی 'ادبی نسل' کو متاثر کرتی ہے۔ڈاکٹر سہیل احمد خان اِسے ذہن کے غیر مربوط اور غیر منطقی پہلوؤں کے حوالے سے اہم تنقید سمجھتے ہیں اور مروّجہ سماجی رویوں اور اِسے فرسودہ نظام و نظریات کے خلاف ردِ عمل کے طور پر لیتے ہیں۔ ایسے رد عمل کو احتجاج، اعلان کے طور پر لینا اور اس کی حاکمیت کا اعلان کرنا۔۔۔ ادبی تنقید میں اسے 'ڈاڈاازم' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو آسکر ماتیسرات کا کردار اور اس کی ٹن ڈرمنگ اس نظریے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اپنی تیس سالہ زندگی میں مسلسل نقارہ نوازی کر کے وہ اشتراکیت کے گیت بھی گاتا ہے اور احتجاج کی صدا بھی بلند کرتا ہے۔('ڈاڈاازم کی مزید وضاحت کے لیے مجموعہ ڈاکٹر سہیل احمد خان ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔)

ڈاکٹر سہیل احمد خان، مجموعہ سہیل احمد خان (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص ۳۸۱۔